© rasailojaraid.com

اردو ہماری شناخت اور ثقافت کی امین

صابر عدنانی

علماء وصوفیا کرام ہمیشہ سے اردو کی ترویج وترقی میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ''موضح القران'' اردو کا پہلا بامحاورہ ترجمہ کہا جاتا ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''سیرت پاک ﷺ'' پر سب سے زیادہ کام اردو میں ملتا ہے۔اسی طرح صوفیا ودرویشوں نے بھی اردو کے رسائل لکھ کر اردو کی ابتدائی نشوونما میں اپنا کردار ادا کیا انھیں بزرگوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت فرید الدین شکر گنجؒ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت بوعلی قلندرؒ، امیر خسروؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، حضرت گیسو دراز بندہ نوازؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شاہ برہان الدین جانمؒ اور دیگر شامل رہے ہیں۔اسی طرح تحریکِ پاکستان میں جس طرح اردو نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور 1906ء میں جب مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو اس تحریک کو جو قوت ملی وہ صرف اور صرف اردو ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔اردو نے پورے برصغیر میں ایک نظریاتی جنگ لڑتے ہوئے اپنی قوت کے ذریعے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو یکجا کر دیا۔جو لوگ انگریزی سے نابلد تھے انھوں نے اردو کے پیغام سے ایسی قوت حاصل کی جو اُن کے اندر آزادی کی لہر پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی رہی اور ایک آزاد مملکت کی صورت میں سامنے آئی۔اب پاکستان کے قیام کو 68 برس ہو چکے ہیں مگر اب تک اردو کے نفاذ کے لیے کوئی عملی اقدام نہیں کیا گیا تھا۔مگر عدالتِ عالیہ اور حکومتِ وقت نے دیر سے ہی سہی مگر خوش آئند اقدام اُٹھایا اور اس اہم فیصلے پر عدالت عالیہ اور حکومت پاکستان مبارک باد کی مستحق ہیں۔

بلاشبہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ مدارس نے اردو کی ترقی، ترویج ونفاذ میں جو کردار ادا کیا ہے وہ بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکے۔مدارس میں پڑھنے والے بچے بچیاں چاہے وہ کہیں سے بھی تعلق رکھتے ہوں، اپنے نظامِ تعلیم کے ذریعے اردو کے فروغ میں معاون ثابت ہوئے، کیوں کہ یہاں صرف ونحو، تجوید، منطق جیسے مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں۔آج بھی مدارس کے طلبہ کی خوش خطی اور خط وکتابت میں وہ معیار برقرار ہے جو ایک اچھے اردو پڑھنے لکھنے والے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاصا ہونا چاہیے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش نے جس طرح واضح طور پر بطور قومی زبان ''اردو'' کے نفاذ کا اظہار کیا تھا اور قیامِ پاکستان کے بعد ہی تمام بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو اپنے خطاب سے دفن کر دیا تھا۔ اسی طرح علامہ اقبال کی فکر نے برصغیر کے مسلمانوں میں اپنی اردو شاعری کے ذریعے جو انقلابی پیغام دیا، اُس نے اس ملّت کو بیدار کرنے میں ایک اہم تحریک کا کردار ادا کیا۔ علامہ اقبال کی ''علم الاقتصاد'' ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی جو اقتصادیات پر اردو میں پہلی کتاب تھی۔ علامہ اقبال کی فکر تو یہی تھی کہ ملّتِ اسلامیہ اور برصغیر کے لوگوں میں اردو کے نفاذ کے لیے تحریک شروع کریں۔ بلاشبہ علامہ اقبال انگریزی اور فارسی میں مہارت رکھتے تھے اور آپ چاہتے تو انگریزی میں یہ کتاب لکھ سکتے تھے مگر اردو میں لکھنا اس لیے ضروری سمجھا کہ عوام الناس اس سے استفادہ کر سکیں۔ یہ کتاب اپنی اہمیت اور اوّلیت کی وجہ سے تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

بابائے اردو کی اردو کے نفاذ کے لیے جو خدمات ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اپنے خطبہ صدارت پنجاب یونی ورسٹی اردو کانفرنس، لاہور میں فرماتے ہیں کہ

> ''قومی زبان کے ذریعے قوم کا ہر فرد اپنی آواز ساری قوم تک پہنچا سکتا ہے۔ مقامی بولی میں یہ قوت اور دم کہاں۔ قومی زبان پوری قوم کے خصائص اور اس کی روایت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مقامی بولی صرف ایک جز کی نمائندگی کرتی ہے اور بس۔ قومی زبان قوم کے شیرازے کو مضبوط کرتی ہے اور اُسے منتشر ہونے سے بچاتی ہے اور قومیت کے ولولے کو زندہ اور تازہ رکھتی ہے۔''

اسی طرح خطبۂ صدارت شعبہ اردو ہندوستانی اکیڈمی ۱۹۳۶ء میں بابائے اردو نے کہا کہ

> ''زبان کا کوئی رنگ روپ (وزن) نہیں، اس کی کوئی ذات نہیں، اس کی کوئی قومیت نہیں، اس کا کوئی مذہب اور وطن نہیں، جو اسے بولے، لکھے، پڑھے اور استعمال کرے گا، اسی کی وہ زبان ہوگی۔''

انھوں نے اردو کی لڑائی ہر سطح پر لڑی۔ اس کی تفصیل بابائے اردو کی کتاب ''پاکستان میں اردو کا المیہ'' نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

عدالت عالیہ، وزیر اعظم پاکستان اور صدر مملکت نے بابائے اردو کے اس خواب کی تعبیر کو عملی جامہ پہنا کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے اہم فیصلہ کیا اور اردو کے فوری نفاذ کی بابت اہم فیصلے کیے۔ جن میں وزیر اعظم اور وفاقی وزرا اردو میں تقاریر کریں گے، اشتہاری بورڈوں اور گھریلو افادیتی بلوں پر اردو زبان میں ہدایات جاری کی جائیں گی۔ مقابلے کے امتحانات اور این ٹی ایس ٹیسٹ بھی اردو میں لیے جانے کی ہدایات ہیں۔ پورے ملک کے اسکول، کالج میں اردو زبان اور ایک نصاب تعلیم کی بھی سفارش ہے۔ تمام وزارتوں، سرکاری، نیم سرکاری اداروں میں اردو میں کام شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی ہدایت کہ ساتھ ساتھ سرکاری پالیسیوں کا ترجمہ بھی اردو زبان میں کیے جانے کو عملی طور پر نفاذِ العمل کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔تمام فارم، پاسپورٹ، انکم ٹیکس، اے جی پی آر، واپڈا اور جتنے قومی، سرکاری اور نیم سرکاری ادارے ہیں اُنھیں کہا گیا ہے کہ عملی طور پر اردو کو اپنے اداروں میں رائج کریں۔اس کے علاوہ قومی سطح پر سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات میں بھی اردو میں تقاریر اور بیرون ملک وفود سے ملاقات میں بھی اردو کو اختیار کیا جائے۔واقعی یہ عملی اقدامات انتہائی مستحسن ہیں، جن پر عمل کرنے سے یقیناً ہم ایک زندہ قوم کی حیثیت اختیار کر سکیں گے۔اٹھانوے فی صد پاکستانی علاقائی یا لسانی عصبیت سے بالاتر ہو کر قومی دھارے میں رہتے ہوئے ''اردو'' کے نفاذ کی بات کرتے ہیں۔جہاں تک ہماری عدالتِ عالیہ اور اعلیٰ اربابِ اختیار کا تعلق ہے تو اُنھوں نے اس اہم قومی فریضے کو ترجیحی بنیاد پر حل کر دیا ہے۔اب عوام الناس کا فرض ہے کہ اس کے لیے خود سے کوششیں کریں اور اردو کے نفاذ کی تحریک میں عدلیہ اور حکومت کا ساتھ دیں تا کہ ان مشکل معاملات کو بہ خیر و خوبی نمٹا کر ہم دنیا کی اُن قوموں کی صف میں کھڑے ہو سکیں جہاں ''قومی زبان'' کو اختیار کیا جاتا ہے۔

آئین پاکستان 1973 کے آرٹیکل 251 میں اردو کو متفقہ طور پر قومی زبان کا درجہ دے کر دفتری، عدالتی اور تعلیمی اداروں میں نافذ کرنا تھا اور اس نفاذ کو تقریباً پندرہ برسوں میں مکمل ہو جانا تھا اور 15 اگست 1988ء سے نافذ العمل ہو جانا چاہیے تھا مگر ہماری نوکر شاہی اور انگریزی نظام کے متوالوں نے اس اہم قومی فریضے کو انجام دینے کے بجائے عوام کو اس سے دور رکھا۔قومی تعلیمی پالیسی طے تھی کی کہ ''قومی زبان اردو کی تدریس'' پرائمری تا گریجویشن کی سطح تک بطور لازمی مضمون ہو گی۔اردو ہماری شناخت اور ثقافت کی امین ہے اور اب جیسا کہ اس اعلان کے بعد کہ اردو کو ''قومی زبان'' کا درجہ دے دیا گیا ہے اس میں وسیع تر روزگار کے مواقع میسر آ سکیں گے۔اردو کیوں کہ ایک بین الاقوامی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور پاکستان میں تو خصوصاً 98 فی صد افراد کے لیے یہ رابطے کی زبان ہے۔پورے ملک میں رابطے کا موثر ذریعہ صرف اور صرف اردو ہی ہے۔اعلیٰ اربابِ اختیار کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ اردو کے مستقبل پر کسی بھی طرح کا سمجھوتہ آنے والی نسلوں کے لیے زہر قاتل ہو گا۔قومی مفاد کے اس مشن کو جتنا جلد ممکن ہو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے تا کہ ہماری آنے والی نسلوں کو فخر ہو۔

اردو ہماری شناخت اور عہد حاضر کی جدید زبان میں شامل ہونے والی زبان ہے۔اس زبان میں اتنی وسعت ہے کہ یہ اپنے اندر تمام قدیم و جدید علوم کو سمیٹے ہوئے ہے۔مزید نئی اصطلاحات و تکنیکی معلومات بھی اس میں ضم ہوتی جا رہی ہیں۔اگر کوئی یہ کہے کہ اردو صرف ادب کی زبان ہے تو یہ انتہائی غیر سنجیدہ بات ہو گی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنی قومی زبان کے بغیر دنیا کے نشیب و فراز کا مقابلہ کر سکیں گے۔تمام ترقی یافتہ ممالک میں قومی زبان ہی ذریعہ تعلیم ہے۔اعلیٰ تعلیم کے لیے خصوصی زبانوں میں مہارت کے لیے تعلیم کے شعبے الگ ہوتے ہیں۔اس کی پہلی مثال دہلی کالج کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، جس کا قیام آج سے تقریباً 190 سال قبل 1825 میں ہوا۔ اس میں تمام علوم وفنون کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ ابتدا میں ان کے پاس اردو کی علمی کتابیں نہیں تھیں، اساتذہ انگریزی کتاب کے مطالب اردو میں بیان کرتے اور شاگرد یادداشتیں لکھ لیتے۔ اساتذہ اور طلبہ کے اس باہمی تعاون سے تقریباً سوا سو کتابیں ترجمہ اور تالیف ہوئیں۔ اردو میں نہ صرف دہلی کالج میں سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حیدرآباد دکن کے نواب میر عثمان علی خان نے 97 سال قبل 1918 میں جامعہ عثمانیہ قائم کی، اس جامعہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی بنیادی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی جب کہ ثانوی طور پر انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اس ادارے کے شعبے تصنیف وتالیف وترجمہ نے آج سے برسوں قبل ہی اردو میں جدید تعلیم کا انتظام کر دیا تھا، جو سائنس، طب، قانون، عمرانیات وغیرہ پر مبنی تھیں۔ موجودہ دور میں وفاقی جامعہ اردو نے بھی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے درسی کتب کے تراجم شائع کیے ہیں جن میں سائنس، طب، حیوانیات، عمرانیات، ارضیات وغیرہ شامل ہیں۔ اب ہمارے ملک کے تمام اداروں کا فرض ہے کہ وہ اردو کی ترقی کے لیے عملی کردار ادا کرتے ہوئے اس کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کریں۔

☆......☆......☆

آج کا المیہ

آج کا بڑا المیہ ماضی کے تناظر میں یہ بھی ہے کہ علماء کو علوم اور مغربی ثقافت سے مرعوبیت کی لہر تیزی سے بہائے لے جارہی ہے اور اس کا مشاہدہ آپ ہر جگہ کر سکتے ہیں۔ تمدن کی بے پناہ ترقی کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اس کی اپنے ماحول کے مطابق ضروری چیزوں کو اختیار کرتے لیکن ہمارا میلان تعیش کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسی طرح بطور خاص علماء پر لازم تھا کہ وہ اپنی اولاد کی علوم قرآن وسنت سے وابستگی کا مضبوط انتظام کرتے، لیکن بجائے اس کے ہو یہ رہا ہے کہ وہ ان کو عصری علوم کی تعلیم دلانے اور اس میں کمال پیدا کرانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کہنے والے نے یونہی نہیں کہہ دیا تھا بلکہ اسلام کی زریں انقلاب آفریں تاریخ کے پیش نظر کہا تھا اور بالکل بجا کہا تھا: ''لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا'' اور ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک بزرگ نے فرمایا تھا: ''النجاۃ فی علوم المصطفی''۔ یہ بھی اسی طرح بالکل درست فرمایا تھا۔

اس بنا پر مدارس میں نظام تربیت کی مضبوطی کے لیے اقدامات بہت ضروری ہیں۔ روحانیت، امانت اور صداقت کی کمی یا فقدان زندگی کے ہر مرحلے میں پایا جارہا ہے اور انحطاط بڑھ رہا ہے۔ اس لیے آج کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ نظام تربیت کو مستحکم کیا جائے اور مدارس کو روحانیت کی فضا سے معمور کیا جائے۔

© rasailojaraid.com